9

شریعت کے احکام کی پیروی اور خدا تعالیٰ پر کامل توکّل کے ذریعہ انسان اپنے آپ کو خدا تعالیٰ کی معیّت کا مستحق بنا سکتا ہے

(فرمودہ 28 مارچ 1958ء بمقام ربوہ)

تشہّد، تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کے بعد حضور نے اس آیت کی تلاوت فرمائی: ''اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا وَّالَّذِيْنَ هُمْ مُّحْسِنُوْنَ''۔[1]

اس کے بعد فرمایا:

''اپنے دوست اور اپنے مُحِبّ کے ساتھ رہنے کو ہر ایک کا دل چاہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ، جس کے ساتھ محبت کرنے کا ہر مومن دعویٰ کرتا ہے اُس کے قریب رہنے کی بھی ہر مومن کو خواہش ہوتی ہے اس لیے اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں یہ آیت رکھ دی ہے۔ جس کے معنے یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ اُن لوگوں کے ساتھ ہے جو متقی ہیں اور اُن لوگوں کے بھی ساتھ ہے جو محسن ہیں۔ ''محسن'' کے معنے عربی زبان میں

ایسے انسان کے ہوتے ہیں جو شریعت پر پوری طرح قائم ہو۔ اور تقویٰ کے معنے یہ ہوتے ہیں کہ خدا تعالیٰ پر پوری طرح توکّل ہو۔ گویا خدا تعالیٰ نے بتایا کہ اُس کی معیّت حاصل کرنے کے ذرائع یہ ہیں کہ اول انسان اُس پر توکّل کرے تو یہ سمجھے کہ جو کچھ میں کرتا ہوں اُس میں میرے لیے کوئی برکت نہیں بلکہ اس سے جو نتیجہ خدا تعالیٰ نکالے گا اُس میں میرے لیے برکت ہے۔ میں صرف نماز اور روزہ کے ذریعہ سے نجات نہیں پاؤں گا بلکہ میری نجات محض خدا تعالیٰ کے فضل سے ہوگی۔ چنانچہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم جو تمام نیک کام کرنے والوں کے سردار تھے آپ نے ایک دفعہ زیادہ شدت کی عبادت کی تو آپ کی ایک بیوی نے پوچھا یَارَسُول اللّٰہ ! آپ کو اِس قدر عبادت کی کیا ضرورت ہے۔ آپ کے تو سب اگلے پچھلے گناہ معاف کر دیئے گئے ہیں۔ آپ نے فرمایا کیا میں اُس خدا کا شکریہ ادا نہ کروں جس نے مجھے معاف کیا ہے۔ اُس نے تو مجھے اپنے فضل سے معاف کر دیا لیکن میرا بھی تو یہ کام ہے کہ اُس کا شکریہ ادا کروں اور اُس کے احکام کی زیادہ سے زیادہ فرمانبرداری کروں۔2 یہ گویا توکّل کی ایک تشریح تھی جو آپ نے فرمائی۔ اِسی طرح ایک دوسرے موقع پر آپ نے فرمایا کہ میں بھی اپنے اعمال سے نہیں بخشا جاؤں گا بلکہ خدا تعالیٰ کے فضل سے بخشا جاؤں گا3 اِسی کا نام توکّل ہے۔ یعنی انسان یہ سمجھتا ہے کہ جو کچھ بھی کرنا ہے خدا نے ہی کرنا ہے اس لیے مجھے اپنا سارا کام اُسی کے سپرد کر دینا چاہیے۔ توکّل کے یہ معنے ہوتے ہیں کہ سب کام خدا تعالیٰ کے سپرد کر دیا۔ وکالت کے معنے ہوتے ہیں کسی کو اپنا قائمقام بنانا۔ چنانچہ نکاح کے موقع پر جو وکیل بن کر آتے ہیں اُن کو اِسی لیے وکیل کہتے ہیں کہ ان کو ایجاب و قبول کا لڑکے یا لڑکی والوں کی طرف سے اختیار مل جاتا ہے۔ تو توکّل کے معنے یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ کو اپنا وکیل بنا لیا، تمام کام اُس کے سپرد کر دیئے کہ جو بھی تیری طرف سے ہوگا وہ مجھے قبول ہوگا اور پسند ہوگا۔

پس اِس آیت کے پہلے فقرہ میں اللہ تعالیٰ نے توکّل کا ذکر کیا ہے اور بتایا ہے کہ انسان کو چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کو اپنی ڈھال بنالے اور یہ کہے کہ جو کچھ بھی میرے ساتھ گزرے میں آپ کے پیچھے کھڑا ہوں گا۔ کوئی مصیبت آئے یا آرام پہنچے، خوشی آئے یا رنج آئے میں آپ کے سوا کسی کی طرف توجہ نہیں کروں گا صرف آپ کو ہی اپنی ڈھال بناؤں گا۔ اور دوسرے فقرے میں یہ بتایا ہے کہ حفاظت کے سپرد کر دینے کے یہ معنے نہیں کہ وہ خود بیکار ہو کر بیٹھ جائے اور دینی کاموں سے غافل ہو جائے بلکہ

فرمایا اللہ تعالیٰ جن لوگوں کے ساتھ ہے وہ نہ صرف اپنی حفاظت خدا تعالیٰ کے سپرد کرتے ہیں بلکہ وہ شریعت کے تمام احکام پر بھی پوری طرح عمل کرتے ہیں۔

مجھے یاد ہے حضرت خلیفہ اول ہمیشہ فرمایا کرتے تھے کہ جب کوئی مسلمان اِنْشَاءَ اللّٰہُ کہے تو سمجھ لو کہ اُس نے وہ کام کبھی نہیں کرنا کیونکہ مسلمان اِنْشَاءَ اللّٰہُ کے یہی معنے سمجھا کرتا ہے کہ اگر کام نہ ہو سکا تو میرا کوئی قصور نہیں ہوگا بلکہ یہ خدا تعالیٰ کی مرضی کا نتیجہ ہوگا۔ اس لیے جب وہ کوئی کام نہیں کرتا تو کہہ دیتا ہے کہ میں نے تو پہلے ہی اِنْشَاءَ اللّٰہُ کہہ دیا تھا۔ جس کے معنے یہ تھے کہ اگر خدا تعالیٰ کی مرضی ہوئی تو میں یہ کام کروں گا ورنہ نہیں۔ اگر خدا تعالیٰ کی مرضی ہوتی تو وہ مجھ سے یہ کام کرا لیتا۔ پس اگر میں نے یہ کام نہیں کیا تو اِس کے یہ معنے ہیں کہ خدا تعالیٰ کی مرضی نہیں تھی۔ گویا وہ کہتا ہے کہ یہ جھوٹ میں نے نہیں بولا بلکہ نَعُوْذُ بِاللّٰہِ خدا تعالیٰ نے بولا ہے۔ تو حضرت خلیفۃ المسیح الاول ہمیشہ فرمایا کرتے تھے کہ جب کوئی مسلمان اِنْشَاءَ اللّٰہُ کہے تو سمجھ لو کہ اُس نے وہ کام نہیں کرنا۔

اِسی طرح آپ یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ مسلمانوں کے نزدیک اللہ تعالیٰ کے معنے صفر کے ہوتے ہیں۔ چنانچہ جب کسی سے پوچھو کہ تمہارے گھر میں کیا ہے؟ تو کہتا ہے اللہ ہی اللہ ہے۔ اور اِس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ گھر میں کچھ نہیں ہے۔ گویا ایک مسلمان کے نزدیک اللہ تعالیٰ کی یہ حقیقت ہے کہ وہ ایک دھیلا کی تو کوئی حقیقت سمجھتا ہے مگر اللہ تعالیٰ کی کوئی حقیقت نہیں سمجھتا۔ جب اُس کے گھر میں کچھ نہیں ہوگا تو وہ کہہ دے گا کہ میرے گھر میں تو صرف اللہ ہی اللہ ہے۔

اِس میں کوئی شبہ نہیں کہ احادیث میں حضرت ابوبکرؓ کا بھی اس قسم کا ایک قول آتا ہے۔ ایک دفعہ آپ چندہ لائے۔ وہ چندہ اتنا تھا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو شبہ ہوا کہ یہ اپنے گھر کا سارا سامان لے آئے ہیں۔ حضرت عمرؓ بھی اُس موقع پر چندہ لائے تھے اور وہ کہتے ہیں کہ میں نے اس موقع پر اتنا چندہ دیا تھا کہ میں خیال کرتا تھا کہ اب حضرت ابوبکرؓ مجھ سے چندہ میں نہیں بڑھ سکتے لیکن بعد میں جب حضرت ابوبکرؓ سامان لائے تو اُس میں گھر کی چھوٹی چھوٹی استعمال کی تمام چیزیں بھی تھیں جو انہوں نے لا کر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے رکھ دیں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو شبہ ہوا کہ آپ گھر کی سب چیزیں اُٹھا لائے ہیں۔ چنانچہ آپ نے دریافت فرمایا کہ ابوبکر! کیا تم گھر میں بھی کچھ چھوڑ آئے ہو یا نہیں؟ حضرت ابوبکرؓ کہنے لگے یَارَسُوْلَ اللّٰہ! گھر میں مَیں اللہ اور اُس کے رسول کا ذکر

چھوڑ آیا ہوں۔4

اب بظاہر اِس قول سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابوبکرؓ نے بھی وہی محاورہ استعمال کیا ہے جس کا ذکر حضرت خلیفہ اول فرمایا کرتے تھے مگر آپ نے اسے نیک رنگ میں استعمال کیا ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ جب حضرت ابوبکرؓ نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ اس کے رسول کو بھی ملا لیا تو اِس فقرہ کے معنے بدل گئے کیونکہ رسول کا وجود تو خیالی نہیں ہوسکتا۔ خدا تعالیٰ کے متعلق اور جنت کے متعلق تو بعض لوگ سمجھ لیتے ہیں کہ اُن کا وجود خیالی ہے لیکن رسول کے متعلق کوئی یہ خیال نہیں کرتا کہ اُس کا وجود خیالی ہے۔ پس جب انہوں نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ رسول کا لفظ ملا لیا تو گویا آپ نے اِس امر کا اظہار کیا کہ میں اللہ کا لفظ حقیقی طور پر استعمال کر رہا ہوں، محض خیالی طور پر استعمال نہیں کر رہا۔ تو محسن بنا کر یعنی شریعت کے تمام احکام کی پیروی کرنے کی کوشش کر کے انسان اپنے آپ کو خدا تعالیٰ کی معیّت کا مستحق بنا لیتا ہے۔ احادیث میں آتا ہے محسن وہ ہے کہ جب وہ نماز پڑھے تو وہ یہ محسوس کرے کہ وہ خدا تعالیٰ کو دیکھ رہا ہے۔ اور اگر وہ یہ محسوس نہ کرے کہ وہ خدا تعالیٰ کو دیکھ رہا ہے تو کم سے کم وہ یہ سمجھے کہ خدا تعالیٰ اُسے دیکھ رہا ہے۔5

تو وَّ الَّذِیۡنَ ہُمۡ مُّحۡسِنُوۡنَ کے یہ معنے ہوئے کہ اللہ تعالیٰ اُن لوگوں کے ساتھ ہوتا ہے جو اپنی نمازوں میں خدا تعالیٰ کا ایسا تصوّر قائم کرتے ہیں کہ خدا تعالیٰ کا وجود اُن کے سامنے آ جاتا ہے۔ جب وہ عارضی طور پر (کیونکہ بندہ ہے ہی عارضی اور فانی) خدا تعالیٰ کو اپنے سامنے لاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ چونکہ مستقل وجود ہے اس لیے وہ مستقل طور پر اُن کو اپنی نگاہ میں رکھتا ہے اور ہمیشہ اُن کی مدد کرتا ہے کیونکہ وہ ازلی ابدی ہے۔ انسان کے لیے اُس نے صرف یہ فرمایا ہے کہ نماز میں تم ایسا تصوّر کرو کہ خدا تعالیٰ کا وجود تمہارے سامنے آ جائے اور اپنے لیے فرمایا کہ ہم مستقل طور پر یہ وعدہ کرتے ہیں کہ ہم تمہاری مدد کریں گے کیونکہ ہمارا وجود مستقل ہے۔ اِس طرح اِس آیت میں گُر بتا دیا گیا ہے کہ کس طرح اللہ تعالیٰ کی معیّتِ کاملہ انسان کو حاصل ہوسکتی ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ایک تحریر آپ کی ایک نوٹ بک میں درج تھی جسے بعد میں مَیں نے اخبار بدر 11 جنوری 1912ء میں چھپوا دیا تھا۔ اُس میں آپ نے تحریر فرمایا ہوا تھا کہ لوگ کہتے ہیں میں خدا تعالیٰ کو چھوڑ دوں اور جو کچھ خدا تعالیٰ نے مجھے کہا ہے میں اُسے بھول

جاؤں۔ مگر یہ کس طرح ہوسکتا ہے جبکہ میں دیکھتا ہوں کہ رات کو جب میرے عزیز ترین وجود بھی مجھے چھوڑ کر نیند میں محو ہو جاتے ہیں خدا تعالیٰ میرے ساتھ ہوتا ہے۔ تو جو ہستی رات کی تنہائیوں میں بھی میرے ساتھ ہوتی ہے میں لوگوں کے کہنے پر اُسے کس طرح چھوڑ دوں؟ وہ تو ایسے وقت میں بھی میرے ساتھ ہوتا ہے جب دنیا میں کوئی عزیز میرے ساتھ نہیں ہوتا۔ ایسے وجود سے تعلق توڑنا میرے لیے ناممکن ہے۔ میں دنیا کو چھوڑ سکتا ہوں مگر خدا تعالیٰ کو نہیں چھوڑ سکتا۔ دنیا میں اکثر ایسا ہوتا ہے کہ دوست کہتے ہیں ہم تمہارے ساتھ ہیں مگر بیسیوں مواقع ایسے آتے ہیں کہ وہ بھاگ جاتے ہیں۔ کئی دفعہ تو دوست کیا عزیز ترین رشتہ دار بھی چھوڑ کر بھاگ جاتے ہیں۔

شیخ سعدیؒ مثالوں میں بڑی اچھی باتیں کہنے کے عادی تھے۔ انہوں نے ایک قصّہ لکھا ہے کہ ایک عورت تھی۔ وہ اپنی بیٹی سے بڑا پیار کرتی تھی۔ اُس لڑکی کا نام مہتی تھا۔ ایک دفعہ اُس کی بیٹی خطرناک طور پر بیمار ہوگئی۔ وہ عورت دعا کرنے لگی کہ اے خدا! میں مرجاؤں مگر میری بیٹی نہ مرے۔ اگر موت ہی آنی ہے تو اس کی بجائے مجھے آ جائے۔ اُس رات اتفاقاً اُس کی گائے رسّہ تڑوا کر صحن میں آ گئی۔ وہاں چھان بورے والا ایک مٹکا پڑا ہوا تھا۔ اُس نے اپنا سر اُس میں ڈال دیا تا کہ چھان بورا کھائے۔ جاتی دفعہ تو اُس کا سر آسانی سے مٹکے میں چلا گیا کیونکہ اُسے زمین کا سہارا مل گیا۔ مگر آتی دفعہ سر باہر نہ نکلا کیونکہ آتی دفعہ کوئی پکڑنے والی چیز نہیں تھی۔ وہ گائے گھبرائی اور صحن میں اِدھر اُدھر دوڑنے لگی۔ وہ اپنے مصلّی پر بیٹھی ہوئی دعا کر رہی تھی کہ یا اللہ! مجھے موت آ جائے میری بیٹی کو نہ آئے کہ اچانک اُس نے گائے کو دیکھا اور سمجھا کہ یہ عزرائیل ہے جو اُس کی جان نکالنے آیا ہے۔ وہ اُسے دیکھ کر جھٹ کہنے لگی مَلَکُ الْموت !من نہ مہتی ام۔ مَلَکُ الْموت تُو نے شاید میری دعا سن لی ہے کہ میں مرجاؤں میری بیٹی نہ مرے۔ اِس لیے تُو میرے پاس آیا ہے کہ میری جان نکال لے۔ میں تجھے بتانا چاہتی ہوں کہ من نہ مہتی ام۔ میں مہتی نہیں ہوں۔ من یکے پیرزال محنتی ام۔ میں تو ایک بڑھیا مزدور عورت ہوں۔ تُو میری جان نہ نکال، مہتی کی جان نکال۔ وہ سامنے چارپائی پر پڑی ہوئی ہے۔ گویا یا تو وہ عورت یہ دعا کر رہی تھی کہ لڑکی کی موت مجھے آ جائے اور یا پھر یہ صورت ہوئی کہ گائے جو مٹکا سر پر اُٹھائے اِدھر اُدھر بھاگ رہی تھی جب اُس نے اُسے مَلَکُ الْموت سمجھا تو اُس نے کہا میں تو مہتی نہیں ہوں میں تو ایک مزدور بڑھیا عورت ہوں۔ اور بیٹی کی طرف اشارہ کر کے کہا مہتی وہ پڑی ہے۔

غرض بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ قریب ترین عزیز جو بڑی بڑی قربانیوں کا دعویٰ کرتے ہیں وہ بھی انسان کو چھوڑ کر الگ ہو جاتے ہیں مگر اللہ تعالیٰ انسان کا ساتھ کبھی نہیں چھوڑتا۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو دیکھ لو باوجود اِس کے کہ جائیداد آپ کی تھی آپ نے صرف اپنی بھاوج کو خوش کرنے کے لیے اپنے بھائی کی وفات کے بعد اُن کی تمام جائیداد جس کے آپ وارث تھے اپنے بڑے بیٹے مرزا سلطان احمد صاحب کے نام لگوا دی تھی جسے انہوں نے اپنا متبنّٰی بنایا ہوا تھا۔ وہ اپنے خاوند کی وفات پر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس آئیں اور کہنے لگیں میں بے اولاد ہوں۔ میری تسلّی کے لیے اپنے بھائی کی جائیداد سلطان احمد کے نام لگوا دو۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان کی یہ بات مان لی اور وہ جائیداد مرزا سلطان احمد صاحب کے نام لگوا دی۔ مرزا سلطان احمد صاحب تو چونکہ ملازم ہو گئے تھے پہلے نائب تحصیلدار ہوئے، پھر تحصیلدار ہوئے، پھر ای۔اے۔سی بنے، پھر قائم مقام ڈپٹی کمشنر رہے اور اِس طرح خدا تعالیٰ کے فضل سے خود انہوں نے بڑی آمدن پیدا کر لی۔ اس لیے انہوں نے اپنی ساری جائیداد اپنی تائی کے سپرد کی ہوئی تھی۔ اور انہوں نے جائیداد آگے اپنے بھائی مرزا نظام دین صاحب کے سپرد کر دی تھی جو حضرت صاحب کے شدید دشمن تھے۔ مگر باوجود اِس کے کہ وہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی جائیداد کھا رہی تھیں، جو کھانا وہ آپ کے لیے بھجواتی تھیں وہ نہایت ہی ادنیٰ اور ذلیل قسم کا ہوتا تھا۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام سارا دن مسجد میں بیٹھے رہتے تھے اور عبادت کرتے رہتے تھے۔ اگر کوئی مسافر آ جاتا تو اُس کو وہاں لا کے آپ دین کی باتیں سناتے اور اپنا کھانا اُسے دے دیتے اور خود دو پیسہ کے چنے بھنوا کر چبا لیتے اور اُس سے گزارہ کر لیتے۔ اِس کو بعد میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی ایک عربی نظم میں یوں ادا کیا ہے کہ

لُفَاظَاتُ الْمَوَائِدِ كَانَ اُكُلِيْ وَ صِرْتُ الْيَوْمَ مِطْعَامَ الْاَهَالِيْ 6

یعنی ایک زمانہ میں دسترخوانوں کے بچے ہوئے ٹکڑے میری خوراک ہوتے تھے کیونکہ آپ کی بھاوج اگرچہ آپ کی جائیداد پر قابض تھیں مگر جو کھانا وہ آپ کے لیے بھیجتی تھیں وہ اِس حیثیت کا ہوتا تھا کہ گویا بچے کھچے ٹکڑے ہوتے تھے جو آپ کو بھیجے جاتے تھے مگر فرماتے ہیں

وَصِرْتُ الْيَوْمَ مِطْعَامَ الْاَهَالِيْ

آج سینکڑوں خاندان خدا تعالیٰ کے فضل سے میرے ذریعہ سے پل رہے ہیں۔

درحقیقت اِس میں بھی وہی توکّل کام کر رہا تھا جو آپ کو خدا تعالیٰ کی ذات پر تھا۔ وہ جس کو آپ نے اپنی ساری جائیداد دے دی وہ تو آپ سے اتنا بُغض رکھتی تھیں کہ اپنے بچے کھچے ٹکڑے آپ کو کھانے کے طور پر دیتی تھیں مگر خدا تعالیٰ نے آپ کو اِتنا دیا کہ سینکڑوں خاندان آپ کے ذریعہ پلنے لگ گئے۔

مجھے یاد ہے ہماری تائی صاحبہ کو کسی زمانہ میں اتنا بُغض تھا کہ ہمارے مکان پر جو سیڑھیاں چڑھتی تھیں وہ اُن کے مکان کی دیوار کے پاس سے گزرتی تھیں۔ چونکہ گھروں میں آپس کی ملاقاتیں بند تھیں اِس لیے ہم سمجھتے تھے کہ یہ ہمارے دشمن ہیں۔ جب میں نے سیڑھیوں پر چڑھنا تو انہوں نے آواز دینی ''محمود! اِدھر آ، گل سن میری''۔ یعنی محمود اِدھر آ وَ اور میری بات سنو۔ میں نے بھاگنا، بچپن کی وجہ سے میں نے ڈرنا کہ خبر نہیں یہ مجھے کیا سزا دیں گی۔ اِس پر انہوں نے پیچھے سے کہنا

''جیہو جیہا کاں او ہو جیہی کوکو''

یعنی جیسا اس کا باپ کوا ہے ویسا ہی یہ اس کا لڑکا کوکو ہے۔ مگر خدا کی قدرت دیکھو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ایک الہام تھا کہ

''تائی آئی'' 7

جس کے معنے یہ تھے کہ وہ ایسے زمانہ میں احمدی ہوں گی جبکہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا نائب اور قائمقام اُن کے خاوند کا بھتیجا ہوگا۔ وہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بڑے بھائی مرزا غلام قادر صاحب کی بیوی تھیں اور میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا لڑکا ہوں جو مرزا غلام قادر صاحب کے چھوٹے بھائی تھے۔ چنانچہ خدا تعالیٰ نے ایسا تصرف کیا کہ تائی صاحبہ نے اپنی عمر کے آخری زمانہ میں (یعنی 1921ء میں) میری بیعت کر لی اور بیعت کے بعد اُن میں اِس قدر اخلاص پیدا ہوا کہ جب وہ (دسمبر 1927ء میں) بیمار ہوئیں اور مجھے خبر پہنچی کہ وہ تین چار دن سے بیہوش پڑی ہیں تو میں اُن کی تیمارداری کے لیے گیا۔ فرش پر دری بچھی ہوئی تھی۔ میں اُن کی چارپائی کے پاس اُس دری پر بیٹھ گیا۔ اُن کی آنکھ کھلی تو انہوں نے مجھے دیکھا۔ وہ بیماری کی وجہ سے بہت زیادہ کمزور تھیں لیکن مجھے دیکھ کر لیٹے لیٹے انہوں نے اپنی ٹانگیں چارپائی سے نیچے سرکا لیں اور پاس والی عورتوں سے کہا مجھے چارپائی سے نیچے اُتار دو۔ محمود نیچے زمین پر بیٹھا ہوا ہے اور میں یہ برداشت نہیں کر سکتی کہ میں اوپر

چارپائی پر بیٹھوں اور وہ نیچے ہو۔ اب کُجا وہ زمانہ کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام جن کے طفیل وہ روٹی کھاتی تھیں اور جن کے طفیل ہمیں برکت ملی اُن کو تو وہ ''کاں'' کہتی تھیں اور مجھے ''کوکو'' اور کُجا ایسا وقت آیا کہ مجھے دیکھ کر انہوں نے اپنی ٹانگیں چارپائی سے نیچے سرکا لیں اور قریب بیٹھنے والوں کو کہا مجھے نیچے اُتار دو محمود نیچے بیٹھا ہے اور مجھ سے یہ برداشت نہیں ہوتا کہ وہ زمین پر بیٹھا ہو اور میں چارپائی پر لیٹی ہوں حالانکہ اُن کی حالت اُس وقت بہت نازک تھی۔ یہ اللہ تعالیٰ نے

وَصِرْتُ الْيَوْمَ مِطْعَامَ الْاَهَالِيْ

کا ایک روحانی نظارہ دکھایا کیونکہ مِطْعَام صرف دنیوی ہی نہیں ہوتا بلکہ روحانی بھی ہوتا ہے۔ جسمانی طور پر تو وہ پہلے ہی حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی جائیداد کی آمد کھا رہی تھیں لیکن روحانی نقطہ نگاہ سے اِس کے یہ معنے تھے کہ وہی لوگ جو مجھ کو صدقہ و خیرات کے طور پر روٹی دیتے تھے ایک دن ایسا آئے گا کہ میں ان کو روحانی غذا دینے والا بن جاؤں گا۔ چنانچہ وہ احمدی ہو گئیں اور بعد میں اپنی زندگی بڑے اخلاص سے گزاری۔

اِسی طرح مرزا سلطان احمد صاحب کو بھی اللہ تعالیٰ نے احمدیت قبول کرنے کی توفیق دی۔ مرزا سلطان احمد صاحب کے آخری عمر میں ہاتھ پاؤں رہ گئے تھے اور وہ اتنے کمزور ہو گئے تھے کہ اُن کے پاؤں آسانی سے حرکت نہیں کر سکتے تھے۔ ایک دن انہوں نے ڈاکٹر حشمت اللہ صاحب کے ہاتھ مجھے پیغام بھیجا کہ میں تو چل نہیں سکتا، آپ کسی وقت آ کر میری بیعت لے لیں۔ چنانچہ میں اُسی دن اُن کے پاس چلا گیا اور اُن کی بیعت لے لی۔ ڈاکٹر صاحب ساتھ تھے۔ میں اُن کی چارپائی کے قریب ہی ایک کرسی پر بیٹھ گیا اور مرزا سلطان احمد صاحب نے اپنا ہاتھ بیعت کے لیے آگے بڑھا دیا اور اِسی طرح کرسی پر بیٹھے ہوئے میں نے اُن کی بیعت لے لی۔ گویا ایک طرف تو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بڑے بھائی کی بیوہ نے جو آپ کی مخالف تھیں آپ کے بیٹے کے ہاتھ پر بیعت کی اور دوسری طرف مرزا سلطان احمد صاحب نے جو میرے بڑے بھائی تھے، میری بیعت کی۔ پہلے وہ شیخ یعقوب علی عرفانی صاحب سے کہا کرتے تھے کہ بڑے مرزا صاحب زندہ ہوتے تو میں اُن کی بیعت کر لیتا۔ میں نے اُن سے تو بگاڑ رکھا اب میں اپنے چھوٹے بھائی کی کس طرح بیعت کروں۔ شیخ صاحب نے اُن کو سمجھایا کہ یہ تو آپ کی اَور زیادہ عزت بڑھائے گا۔ چنانچہ آخری

عمر میں وہ بیعت کے لیے تیار ہو گئے اور (دسمبر 1930ء) انہوں نے بیعت کر لی۔

غرض یہ اللہ تعالیٰ کا فضل اور احسان تھا کہ ہماری تائی صاحبہ نے بھی میری بیعت کر لی اور مرزا سلطان احمد صاحب نے بھی میری بیعت کر لی۔ ہماری تائی صاحبہ کے احمدی ہونے میں بڑا دخل مرزا احسن بیگ صاحب کا تھا۔ وہ ان کی بہن کے بیٹے تھے۔ ان کی ایک بہن اعظم آباد میں بیاہی ہوئی تھی اور اُس کے دو بیٹے تھے۔ ایک مرزا اسلم بیگ صاحب اور دوسرے مرزا احسن صاحب۔ مرزا احسن بیگ صاحب ہمارے ساتھ پڑھا کرتے تھے۔ سب سے پہلے اُن کی میرے ساتھ دوستی ہوئی اور پھر انہوں نے اُسی زمانہ میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بیعت کر لی۔ بعد میں ریاست بوندی میں ان کو بیس ہزار ایکڑ زمین ملی۔ چونکہ ریاست آباد نہیں ہوئی تھی اس لیے ریاست کے حکام نے بعض لوگوں کو بڑے بڑے علاقے دے دیئے تھے کہ ان کو آباد کرو۔ آخر میں ریاست نے کچھ زمین واپس بھی لے لی کیونکہ وہ اسے آباد نہ کر سکے مگر پھر بھی چار پانچ گاؤں ان کے پاس رہ گئے۔ اب ان کے ایک بیٹے وہاں کام کرتے ہیں۔ گو اِدھر آ جانا اُن کے لیے مبارک ہے مگر انہیں لالچ ہے کہ پانچ گاؤں کیسے چھوڑوں۔ اگر میں پاکستان آ گیا تو پیچھے گورنمنٹ یہ جائیداد ضبط کر لے گی۔ اس لیے وہ وہیں بیٹھے ہوئے ہیں حالانکہ ان کی ماں ایک بڑی مخلص احمدی تھی اور اُن کا باپ بھی حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ہاتھ پر بیعت کرنے والا تھا۔ غرض تائی صاحبہ کی یہ بہن اعظم آباد میں بیاہی گئی تھیں اور اعظم آباد والے اپنے آپ کو بڑا رئیس سمجھتے تھے۔ سارا شاہدرہ اُن کے پاس تھا۔ مرزا اعظم بیگ صاحب جو اُن کے بڑے ہیڈ تھے وہ سب سے پہلے ہندوستانی تھے جو سیٹلمنٹ آفیسر بنے۔ اس سے پہلے صرف انگریز ہی اِس عہدہ پر پہنچتے تھے۔ پھر وہ کابل میں بھی رہے اور وہاں ایمبیسی میں ان کو بڑے عہدہ پر رکھا گیا۔ بعد میں وہ ہزارہ میں سیٹلمنٹ آفیسر بن گئے۔ وہاں انہوں نے اپنی امارت کے گھمنڈ میں بڑے بڑے ظلم بھی کیے۔ چنانچہ ایک دفعہ میں کشمیر سے واپس آ رہا تھا تو مولوی سید سرور شاہ صاحب نے جو ہزارہ کے ہی رہنے والے تھے مجھے سنایا کہ جب مرزا صاحب یہاں سیٹلمنٹ آفیسر بن کر آئے تو انہوں نے اپنے غرور میں فلاں رئیس کو کہا کہ تمہارا گھوڑا مجھے بہت پسند آیا ہے وہ مجھے بھیج دو اور پھر کہا کہ دیکھنا یہ گھوڑا آج شام تک میرے پاس پہنچ جائے۔ مولوی سرور شاہ صاحب نے بتایا کہ وہ رئیس اتنا مالدار تھا کہ سارا علاقہ اُس کے پاس تھا مگر جب انہوں نے اُس کو حکم دیا تو وہ بھی

چونکہ نواب اور رئیس تھا اَڑ گیا اور کہنے لگا مرزا صاحب! اگر آپ مجھے کسی اَور کی معرفت کہلا بھیجتے کہ مجھے گھوڑا دے دو تو ایک نہیں میں دس گھوڑے بھی دے دیتا مگر آپ نے حکم دیا ہے تو اب چاہے آپ میری ساری جائیداد تباہ کر دیں اور اس کی اینٹ سے اینٹ بجا دیں میں گھوڑا نہیں دوں گا۔ چنانچہ انہوں نے سیٹلمنٹ (SETTLEMENT) میں اُس کی تمام جائیداد اُس کے رشتہ داروں کے نام لکھ دی اور اُس کو تباہ کر دیا۔ مولوی صاحب کہنے لگے وہ اب تک غریب چلے آتے ہیں حالانکہ پہلے وہ بہت ہی صاحبِ رسوخ تھے۔ غرض ان کے خاندان میں ہماری وہ پھوپھی بیاہی گئی تھیں اور ہمارے دادا کی ناپسندیدگی کے باوجود بیاہی گئی تھیں۔ مرزا اعظم بیگ صاحب جو اِس خاندان کے مورثِ اعلیٰ تھے انہوں نے ہمارے دادا کے پاس پیغام بھیجا کہ ہم قادیان دیکھنا چاہتے ہیں۔ وہ چغتائی خاندان کے مغل تھے اور ہم برلاس خاندان کے ہیں اور برلاس چغتائیوں کو ذلیل سمجھتے ہیں۔ پرانے زمانہ میں یہ طریق رائج تھا کہ اگر کوئی کہے کہ ہم آپ کا گاؤں دیکھنا چاہتے ہیں تو اِس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ ہم آپ کی لڑکی لینا چاہتے ہیں۔ جب مرزا اعظم بیگ صاحب نے یہ پیغام بھیجا تو ہمارے دادا جلال میں آ گئے اور کہنے لگے تم چغتائیوں کو بھی یہ جرأت ہو سکتی ہے کہ ہم سے لڑکیاں مانگو۔ جاؤ اور ان سے کہہ دو کہ ہمیں نہیں منظور۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے تھے کہ ہمارے باپ کے غرور کا ہی یہ نتیجہ نکلا کہ ان کی وفات کے بعد ہماری تین لڑکیاں اُن کے خاندان میں بیاہی گئیں۔ جن میں سے ایک تو یہی ہماری پھوپھی تھیں اور ایک اَور چچا کی لڑکی تھی۔ اِس طرح اُن کے گھر میں ہماری لڑکیوں کا اچھا خاصا اجتماع ہو گیا۔ پھر نہ صرف ہماری لڑکیاں ہی اُن کے ہاں گئیں بلکہ ہماری جائیدادیں بھی اُن کے قبضہ میں جانی شروع ہوئیں۔ یہاں تک کہ قادیان کے سوا ہماری ساری جائیداد اُن لوگوں کے پاس چلی گئی۔ چنانچہ راجپورہ جو میں نے بعد میں بیس ہزار روپیہ میں خریدا وہ اُنہی لوگوں کے پاس چلا گیا تھا۔ پھر محلّہ دارالرحمت جہاں بنا ہے وہ حصہ بھی اُن لوگوں کے پاس چلا گیا تھا۔ یہ جائیداد ان کے پڑپوتے مرزا اکرم بیگ نے ایک سِکھ کے پاس اٹھارہ ہزار روپیہ میں بیچ دی تھی جو بعد میں حقِ شفعہ کے ذریعہ ہم نے واپس لی۔

مرزا اکرم بیگ کے والد مرزا افضل بیگ صاحب ایک ریاست میں سپرنٹنڈنٹ پولیس تھے اور ناچ گانے کا انہیں شوق تھا۔ شراب کی بھی عادت پڑی ہوئی تھی مگر آخر میں انہوں نے ان تمام

عادتوں سے توبہ کر لی اور قادیان آ گئے۔ بیعت کے بعد وہ ایک دفعہ بیمار ہوئے اور علاج کے لیے لاہور گئے تو ڈاکٹر نے کہا کہ اگر آپ تھوڑی سی شراب پی لیں تو آپ بچ سکتے ہیں۔ وہ کہنے لگے ایک دفعہ میں نے شراب سے توبہ کر لی ہے اب میں نہیں پیوں گا۔ چنانچہ وہ مر گئے لیکن انہوں نے شراب کو نہیں چھوا۔ غرض بیعت کے وقت جو انہوں نے عہد کیا تھا اُس پر وہ پورے اُترے لیکن ان کا بیٹا اچھا نہ نکلا۔ اُس نے دارالرحمت والی زمین ایک سِکھ کے پاس بیچ دی تھی۔ شیخ مختار احمد صاحب ایک غیر احمدی بیرسٹر تھے جو ہم سے بہت محبت رکھتے تھے۔ اللہ اُن کی مغفرت فرمائے انہوں نے مجھے لکھا کہ آپ کی اتنی قیمتی جائیداد ہے جو اکرم بیگ نے فلاں سِکھ کو اٹھارہ ہزار روپیہ میں دے دی ہے۔ یہ بڑی قیمتی جائیداد ہے۔ اگر آپ اٹھارہ ہزار روپیہ کا بندوبست کر لیں تو یہ جائیداد آپ واپس لے لیں۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ وہ بہت ہی قیمتی جائیداد تھی۔ چنانچہ بعد میں ہم نے اس سے پانچ لاکھ روپیہ کمایا۔ مگر اُس وقت میرے پاس روپیہ نہیں تھا۔ میں نے کہا میرے پاس اتنا روپیہ کہاں ہے۔ انہوں نے لکھا کہ بارہ ہزار روپیہ کسی نے میرے پاس امانت رکھا ہوا ہے وہ میں آپ کو دے سکتا ہوں۔ آپ بعد میں مجھے دے دیں صرف چھ ہزار روپیہ کا آپ کسی طرح انتظام کر لیں۔ چنانچہ ایک دوست نبی بخش صاحب کشمیری امرتسر کے تھے۔ میں نے حافظ غلام رسول صاحب وزیرآبادی کو اُن کے پاس بھیجا۔ انہوں نے انہیں تحریک کی کہ وہ مجھے کچھ روپیہ قرض کے طور پر دے دیں۔ چنانچہ دوسرے دن ایک لفافہ اُن کی طرف سے آیا جس میں تین ہزار روپیہ تھا اور ساتھ لکھا تھا کہ یہ تین ہزار روپیہ میرے پاس تھا۔ حافظ غلام رسول صاحب وزیرآبادی میرے پاس آئے تھے اور انہوں نے مجھے تحریک کی تھی جس پر میں یہ روپیہ آپ کو بھیج رہا ہوں۔ جب آپ کو توفیق ہو مجھے واپس کر دیں۔ اُسی دن ڈاکٹر فضل کریم صاحب کا افریقہ سے خط آیا کہ میں سترہ سو روپیہ آپ کو بھجوا رہا ہوں۔ وہ غالباً کسی جنگ پر گئے تھے اور اُن کی تنخواہ جمع تھی جو بعد میں انہیں ملی اور انہوں نے مجھے بھجوا دی۔ اِس طرح چار ہزار سات سو روپیہ ہو گیا اور بارہ ہزار روپیہ شیخ مختار احمد صاحب بیرسٹر نے دیا۔ اب صرف ایک ہزار تین سو کی کمی رہ گئی تھی وہ میں نے اپنی بیویوں کے زیورات بیچ کر پوری کر لی اور زمین خرید لی۔ اس زمین پر دارالرحمت کا محلّہ آباد ہوا۔

اِسی طرح جس زمین پر محلّہ دارالفضل آباد ہے یہ زمین بھی میں نے مرزا اکرم بیگ سے لی۔ انہوں نے اس زمین کا ایک ہندو سے ڈیڑھ لاکھ میں سودا کیا تھا۔ میں نے خیال کیا کہ اٹھارہ ہزار تو

کسی نہ کسی طرح جمع ہو گیا تھا۔ اب ڈیڑھ لاکھ کہاں سے آئے گا۔ اس کے لیے میں نے جماعت میں اعلان کر دیا کہ جو چاہے زمین خرید سکتا ہے۔ چنانچہ خدا تعالیٰ نے جماعت کو اتنی ہمت دی کہ اس میں سے ایک لاکھ سے زائد کے گاہک بن گئے اور باقی روپیہ کا ہم نے خود انتظام کر لیا اور اس طرح وہ محلّہ بھی خرید لیا گیا۔

تو اللہ تعالیٰ جب دینے پر آتا ہے تو اِس طرح دیتا ہے۔ اِسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں

لُفَاظَاتُ الْمَوَائِدِ کَانَ اُکُلِیْ وَصِرْتُ الْیَوْمَ مِطْعَامَ الْاَھَالِیْ

دیکھو جب رمضان آتا ہے تو لوگ ''لُفَاظَاتُ الْمَوَائِدِ'' ہی کھاتے ہیں یعنی سارا دن بھوکے رہتے ہیں۔ صبح کے وقت جو روٹی انہیں مل جائے کھا لیتے ہیں لیکن جب عید آتی ہے تو وَصِرْتُ الْیَوْمَ مِطْعَامَ الْاَھَالِیْ والا نظارہ ہوتا ہے۔ اُس دن خدا تعالیٰ کھلانے پر آجاتا ہے۔ رمضان کے دنوں میں تو کہتا ہے کہ خبردار! جس نے دن کے وقت کھانا کھایا میں اُسے سزا دوں گا اور عید کے دن کہتا ہے کہ جس نے نہ کھایا میں اُسے سزا دوں گا۔ گویا وہی صورت ہو جاتی ہے کہ

لُفَاظَاتُ الْمَوَائِدِ کَانَ اُکُلِیْ وَ صِرْتُ الْیَوْمَ مِطْعَامَ الْاَھَالِیْ

پہلے تو غریبوں کا سا کھانا دیا جاتا تھا اور عید کے دن امیروں کا سا کھانا میسر آجاتا ہے۔ سحریاں بھی امیروں کی ہی ہوتی ہیں ورنہ غریبوں کا کیا ہے۔ انہیں تو جو معمولی چیز بھی مل جائے اُس سے روزہ رکھ لیتے ہیں۔ مجھے یاد ہے بچپن میں ایک عورت مجھے کھلایا کرتی تھی۔ وہ ایک دن مجھے ایک کمرہ میں کھلاتی جاتی تھی اور ساتھ ساتھ ایک باسی روٹی کا ٹکڑا جو اُس کے ہاتھ میں تھا وہ کھاتی جاتی تھی۔ مجھے یاد ہے کہ وہ باسی روٹی مجھے اُس وقت اِتنی بڑی نعمت معلوم ہوتی تھی کہ اگر آج دنیا کی ساری نعمتیں بھی مجھے مل جائیں تو مجھے اُن میں وہ مزہ نہ آئے جتنا اُس باسی روٹی کے ٹکڑے کی خوشبو میں آتا تھا۔ تو غریب کو تو باسی روٹی بھی مل جائے تو وہ سمجھتا ہے یہ اللہ تعالیٰ کی بڑی نعمت ہے جو مجھے میسر آ گئی۔ اِسی طرح شام کو روزہ کھلتا ہے تو جو لوگ آسودہ حال ہوتے ہیں وہ تو افطاری کے لیے قسم قسم کی چیزیں بناتے ہیں لیکن غریب لوگ پانی کے ایک گھونٹ سے ہی روزہ کھول لیتے ہیں۔ آخر یہی چیز خدا تعالیٰ کے سامنے پیش ہوتی ہے۔ خدا تعالیٰ تو کھانے والا نہیں، کھاتے تو ہم ہیں مگر ہمارے کھانے کو خدا تعالیٰ

اپنا کھانا قرار دے دیتا ہے۔ جیسے کہ بائیبل میں بھی آتا ہے اور حدیثوں میں بھی کہ قیامت کے دن جب لوگ خدا تعالیٰ کے سامنے پیش ہوں گے تو وہ کہے گا میں بیمار تھا تم نے میری عیادت کیوں نہیں کی؟ میں ننگا تھا تم نے مجھے کپڑا کیوں نہیں پہنایا؟ میں بھوکا تھا تم نے مجھے کھانا کیوں نہیں کھلایا؟ لوگ کہیں گے اے ہمارے ربّ! تُو بڑی شان والا ہے تُو کب بھوکا تھا جو ہم نے تجھے کھانا نہیں کھلایا؟ تو کب ننگا تھا کہ ہم نے تجھے کپڑا نہیں پہنایا؟ تُو کب بیمار تھا کہ ہم تیری عیادت کو نہیں آئے؟ تو خدا تعالیٰ جواب دے گا کہ جب میرا غریب سے غریب بندہ تمہارے پاس آیا اور وہ بھوکا تھا اور اُسے تم نے کھانا نہیں کھلایا تو تم نے مجھے کھانا نہیں کھلایا۔ اور جب میرا غریب سے غریب بندہ تمہارے پاس آیا اور وہ ننگا تھا اور تم نے اسے کپڑا نہیں پہنایا تو تم سمجھو کہ میں ہی ننگا تھا جسے تم نے کپڑا نہیں پہنایا۔ اور جب میرا غریب سے غریب بندہ بیمار ہوا اور تم نے اس کی عیادت نہیں کی تو تم نے میری عیادت نہیں کی۔[8] گویا خدا تعالیٰ بندہ کا قائم مقام بن جاتا ہے۔

یہی چیز رمضان میں ہوتی ہے۔ اس میں جو کچھ کھایا جاتا ہے چاہے غریب کھائے یا امیر کھائے وہ ایک رنگ میں خدا تعالیٰ ہی کھاتا ہے کیونکہ بندہ خدا تعالیٰ کے حکم سے ہی کھاتا ہے۔ پس ہمارا کھانا بھی خدا تعالیٰ کا ہی کھانا ہوتا ہے۔ چاہے وہ معمولی کھانا ہو یا اچھا۔ پھر عید کے دن بھی جو ہم کھاتے ہیں وہ بھی خدا تعالیٰ ہی کا کھانا ہوتا ہے کیونکہ عید بھی ہم اس کے حکم سے مناتے ہیں۔ خدا نے ہی حکم دیا ہے اور ہم عید منانے لگ گئے ہیں۔ پس اگر ہمیں عید کے دن کھانا ملتا ہے تو درحقیقت وہ بھی خدا تعالیٰ ہی کے گھر سے آتا ہے خدا تعالیٰ کھاتا نہیں مگر ہم کھاتے ہیں۔ اِسی طرح اگر ہم روزہ میں فاقہ کرتے ہیں تو وہ ایسا ہی ہوتا ہے کہ گویا خدا تعالیٰ نے فاقہ کر لیا کیونکہ رمضان اور عید میں ہم خدا تعالیٰ کے قائم مقام بن جاتے ہیں۔ ہمارا بھوکا رہنا خدا تعالیٰ کا بھوکا رہنا ہوتا ہے اور عید کے دن ہمارا کھانا خدا تعالیٰ کا کھانا ہوتا ہے۔ گویا ان دنوں میں اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے اپنا جُبّہ ہمیں پہنا دیتا ہے۔ جب خدا تعالیٰ کا کوئی بندہ روزہ رکھتا ہے تو خدا تعالیٰ کہتا ہے کہ یہ میں ہی ہوں جو روزہ رکھ رہا ہوں کیونکہ میرے بندے نے جو کچھ کیا ہے میرے حکم سے کیا ہے۔ پھر ہم عید کے دن کھاتے ہیں تو خدا تعالیٰ کہتا ہے کہ میرا بندہ نہیں کھا رہا بلکہ میں کھا رہا ہوں کیونکہ وہ کھا رہا ہے تو میرے حکم سے کھا رہا ہے اور اُس کے پیٹ میں نہیں جا رہا بلکہ میرے پیٹ میں جا رہا ہے۔ اِس طرح ہمارے جتنے بھی اعمال ہیں وہ نیکی

بن جاتے ہیں اور وَّ الَّذِیۡنَ ہُمۡ مُّحۡسِنُوۡنَ کے ماتحت آ جاتے ہیں۔ بندہ کوئی بھی حرکت کرے وہ اُس کے نام نیکی بن کر لکھی جاتی ہے۔ یہی خدا تعالیٰ کی سنت ہے۔ اگر خدا تعالیٰ کی یہ سنت نہ ہوتی اور انسان اپنے اعمال کی وجہ سے بخشا جاتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ کیوں فرماتے کہ اے عائشہ! میں بھی اپنے اعمال سے نہیں بخشا جاؤں گا بلکہ خدا تعالیٰ کے فضل سے بخشا جاؤں گا9 اور جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی خدا تعالیٰ کے فضل سے ہی بخشے جائیں گے تو ہم کون ہیں جو کہہ سکیں کہ ہم اپنے اعمال سے بخشے جائیں گے۔ ہم یقیناً محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ اس کے فضل کے محتاج ہیں۔ ہم پر تو اَور بھی خدا تعالیٰ کا فضل ہوگا تو ہم بخشے جائیں گے ورنہ ہمارے بخشے جانے کی کوئی صورت نظر نہیں آتی۔ صرف یہی خیال ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں بیان کردہ اپنی صفات کو سامنے لا کر ہمیں بخش دے تو یہ اُس کا احسان ہوگا۔ اور اگر نہ بخشے تو ہمیں اُس پر کوئی اعتراض نہیں وہ ہمیں جو بھی سزا دے وہ اس میں حق پر ہے۔ اور ہمیں جو بھی سزا ملے ہم اس کے مستحق ہیں۔ اور وہ جو احسان ہم پر کرے وہ بہرحال اُس کا احسان ہے ہمارے کسی عمل کا نتیجہ نہیں"۔

(الفضل 12/اپریل 1958ء)

1: النحل: 129

2: بخاری کتاب التفسیر۔ تفسیر سورۃ الفتح ۔ باب قولہٖ اِنَّا فَتَحۡنَا لَکَ فَتۡحًا مُّبِیۡنًا

3: بخاری کتاب الرقاق باب القصد والمداومة علی العمل

4: ترمذی ابواب المناقب باب مناقب ابی بکر الصدیق

5: بخاری کتاب الایمان باب سؤَالُ جِبْرِیْلَ النَّبِیَّ ﷺ عَنِ الْاِیْمَان

6: آئینہ کمالات اسلام۔ روحانی خزائن جلد 5 صفحہ 596

7: تذکرہ صفحہ 781 طبع چہارم

8: مسلم کتاب البر وَالصِّلَة باب فَضْلُ عِیَادَة الْمریض

9: بخاری کتاب الرِّقَاقِ بابُ الْقَصْدِ وَ الْمُدَاوَمَةِ عَلَی الْعَمَلِ